قرآن مجید اور استدلال عقلی[1]

ڈاکٹر سراج الحق صدر شعبہ عربی و اسلامیات ڈھاکہ یونیورسٹی

اس عارضی دنیا میں ایک مسلمان کی زندگی کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ وہ "عبادت" یعنی خدمت کے ذریعہ دوسری دنیا میں نجات حاصل کرے۔ دوسرے الفاظ میں ایک مسلمان کے لئے یہ دنیا تیاری کی جگہ ہے اُس دنیا کے لئے، جو اس کے بعد ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ ماخلقت الجن والانس الالیعبدون۔ ۵۱: ۵۶۔ (میں نے جن والنس کو نہیں پیدا کیا سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کریں)۔ اس آیت میں عبادت کا جو لفظ آیا ہے، اُس کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ اس سے صرف یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مسلمان پر جو فرائض واجب کئے گئے ہیں، جیسے نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ، وہ انہیں ادا کر دے۔ بلکہ لفظ عبادت مشتمل ہے اُن تمام سرگرمیوں پر، مادی اور روحانی دونوں، جن کا انسانی ترقی سے تعلق ہے، چنانچہ قرآن مجید میں مسلمان کو یہ دعا مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃً وفی الاٰخرۃ حسنۃً وقنا عذاب النار۔ ۲: ۲۰۱ (اے ہمارے رب! ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچانا)۔ ایک مسلمان اِس دنیا کی زندگی کو کلیتہً نظر انداز کر کے کبھی بھی محض روحانی نجات کے لئے صبح و شام دعا نہیں مانگ سکتا۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:۔ لا رھبانیۃ فی الاسلام (اسلام میں رہبانیت نہیں)۔ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ اسلام کے دَورِ اوّل میں ہمارے بزرگوں نے جہاں عظیم روحانی ترقی کی تھی، وہاں وہ دنیاوی منافع اور ترقی کے حصول کے لئے بھی وقفِ عمل رہے۔

---

[1] یہ مقالہ بین الاقوامی اسلامی کانفرنس جو فروری ۱۹۶۸ء میں راولپنڈی میں منعقد ہوئی تھی، پڑھا گیا۔ اصل مقالہ انگریزی میں تھا۔ (مدیر)

انسان اللہ تعالےٰ کی بہترین تخلیق ہے۔ اور اُس نے دن اور رات، سورج اور چاند اور دوسری چیزیں سب انسان کے لئے پیدا کی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:۔

ولقد کرمنا بنی ادم وحملنٰھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنٰھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔ ۱۷: ۷۰ (اور ہم نے عزت دی بنی آدم کو اور اُن کو خشکی اور تری میں سواری فراہم کی۔ اور اُن کو اچھی چیزیں بطور رزق دیں اور اُن کو بہت سوں پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دی)۔ اور اسی طرح ارشاد ہوا ہے:۔ وسخر لکم الانھٰر وسخر لکم الیل والنھار واتٰکم من کل ما سالتموہ۔ ۱۴: ۳۲ (اُس نے تمہارے لئے دریا مسخر کر دیئے اور رات اور دن مسخر کر دیئے اور تمہیں ہر وہ چیز دی جو تم نے مانگی)۔ اس کے علاوہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں حکمت عطا کی۔ اور حکمت سے مراد سائنسی علم ہے، اور اسے قرآن مجید نے بہت بڑی بھلائی بتایا ہے۔ یوتی الحکمۃ من یشاء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ ۲: ۲۶۹ (وہ جسے چاہتا ہے، حکمت عطا کرتا ہے۔ اور جسے حکمت عطا کی گئی، اُسے بہت بڑی بھلائی عطا ہوئی)۔ اس حکمت یعنی سائنسی علم کی بدولت انسان معجزے انجام دے سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ان آسمانوں سے بھی پرے جا سکتے ہیں، لیکن وہ رہیں گے ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی قدرت ہی کے تحت جو کہ سب مخلوقات کا مالک اور اُن پر قدرت رکھتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطٰن۔ ۵۵: ۳۳ (اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! اگر تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو، نہیں نکل سکنے کے تم بغیر سند کے)۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ انسان کے بس میں ہے کہ وہ اجرام سماوی کا کھوج لگا سکے، جیسا کہ آج کل کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے مذہب اور سائنسی ترقی میں کوئی تناقض نہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک قول مروی ہے کہ عقل سے بڑھ کر اللہ تعالےٰ نے کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ مشہور غیر مسلم محقق ڈریپر نے کہا ہے کہ مذاہب میں سے اسلام ہی وہ مذہب ہے، جس نے دلیل کے بغیر کسی روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔

وہ بدو عرب، جن کا تاریخ میں کہیں نام تک نہ تھا، قرآن مجید کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی پیروی کر کے تہذیب و تمدن اور علم و ثقافت کی اعلیٰ سے اعلیٰ بلندی تک پہنچ

گئے۔ انھوں نے مشرق اور مغرب ہر دو میں مشہور یونیورسٹیاں اور رصدگاہیں قائم کیں، جہاں دنیا کے مختلف حصوں سے علم کے حصول کے لئے لوگ پہنچتے تھے۔ CARRA DE VARUX کے الفاظ میں "عربوں نے اُس دَور میں اعلیٰ ذہنی زندگی اور سائنس کے مطالعے کو زندہ رکھا جب مسیحی یورپ جہالت اور وحشت سے نبرد آزما تھا۔" عرب اہلِ علم نے جن میں سے بہت سے غیر مسلم بھی تھے، عرصہ دراز تک اپنی علمی سرگرمیاں اور تحقیقاتی روح جاری و ساری رکھی۔ مدرسے اور کالج مساجد کے ساتھ ملحق ہوتے تھے۔ طبعاً اس سے مسلمان یہ مُراد لیتے تھے کہ سائنسی علم کا حصول بھی اُن کے مذہبی فرائض کا ایک حصہ ہے۔ دسویں صدی عیسوی کے شروع میں مسلمان تمام علوم اور سائنسوں میں سب سے آگے تھے۔ جارج سارٹن اپنی کتاب "سائنس کی تاریخ" کے دیباچہ میں لکھتا ہے:" بنی نوع انسان کا اہم کام مسلمانوں ہی کے ہاتھوں اتمام کو پہنچا۔ عظیم ترین فلسفی فارابی مسلمان تھا۔ عظیم ترین ریاضی دان ابو کامل اور ابراہیم ابن سنان مسلمان تھے، عظیم ترین جغرافیہ دان اور ہمہ جہتی عالم مسعودی مسلمان تھا۔ عظیم ترین مورخ طبری بھی مسلمان تھا۔"[1]

جب ہم اپنی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ خلفائے اوّلین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے دوسری قوموں کے نظامِ حکومت کی اُن چیزوں کو جو مسلمانوں کی ضرورتوں کو پورا کر سکتی تھیں اور احکامِ قرآنی کے خلاف نہ تھیں، اختیار کرنے میں کبھی پس و پیش سے کام نہیں لیا، جب واقعہ یہ ہے تو اسلام کو سائنس دشمن اور رجعت پسند کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اگر اسلام ایسا ہوتا، جیسا کہ اُسے الزام دیا جاتا ہے، تو عباسی دَور کے عہدِ اوّل میں وہ کبھی یونان و روم، ایران، چین اور ہندوستان کی قدیم تہذیبوں کو اپنی طرف نہ کھینچ سکتا اور نہ اُنہیں اپنے اندر سمو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ بعد کی صدیوں میں اسلام کی ترقی رک گئی، لیکن اس کے لئے ہم اسلام کو ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتے۔ اس کے اور اسباب تھے۔ داخلی بھی اور خارجی بھی، جنہیں میں یہاں بیان نہیں کرنا چاہتا۔ مسلمانوں کے قدم ترقی کی طرف بڑھتے بڑھتے جو رُک گئے تو وقتی طور پر اس کے دو اسباب بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک شمال سے صلیبیوں کے مسلسل حملے۔ اور دوسرے جنوب مشرق سے تاتاریوں کی یلغار، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم قرآن مجید کے الفاظ میں یہ بھی

---

[1] (LEGACY OF ISLAM) ص ۳۷۷۔

کہیں گے :- ان اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم - ۱۳ : ۱۱ (یقیناً اللہ کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے) - بعد کی صدیوں میں مسلمان توحید کی صحیح روح بھلا بیٹھے، اور انہوں نے اپنی قلبِ ماہیت کر لی - اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ غیروں کی جارحیت کا تر نوالہ بن گئے - معاملہ صرف یہاں تک نہ رہا - غفلت و سہل انگاری اور قدامت پسندی نے جس میں غلط دینیاتی تصورات بھی مل گئے تھے، ملّتِ اسلامیہ کی حالت دگرگوں کر دی - فکری لحاظ سے مسلمانوں میں جو یک بارگی زوال آیا، تو اس کی ذمہ داری زیادہ تر علمائے دینیات پر ہے - عباسی دَور میں اسلامی فکر کے ضابطے مقرر کر دیئے گئے، جن سے سرِمُو انحراف ممنوع قرار پایا اور اس طرح تمام تخلیقی سرگرمیاں ختم ہو گئیں - اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا اور ہر قسم کی ترقی کو بدعت قرار دیا جانے لگا - یہ صورتِ حال صرف جزیرہ عرب اور اس کے اردگرد کے ملکوں کی نہ تھی، بلکہ دُور دراز کے اسلامی ممالک کی بھی یہی حالت تھی، غلط تصوف اور توہمات پرستی نے مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے دُور کر دیا - اور سائنسی تلاش و تفحص کو اُنہوں نے چھوڑ دیا - بغداد کا دارالحکمت اور رصدگاہیں جو یونیورسٹیوں کے ساتھ قائم کی گئی تھیں، بے کار ہو کر رہ گئیں - اور تعلیم کا جو اسلامی نصب العین تھا، اُس سے آنکھیں پھیر لی گئیں -

اس میں شک نہیں کہ وقتاً فوقتاً ملّتِ اسلامیہ میں مصلحین پیدا ہوتے رہے، لیکن بدقسمتی سے اُن میں سے بہت کم کو لوگوں نے صحیح طرح مانا - تیرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں اسلام کے عظیم اور جرأت مند مصلح امام ابنِ تیمیہؒ ظہور پذیر ہوتے، جنہوں نے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دے کر بے میل اور خالص اسلام کے احیاء کی کوشش کی - امام ابنِ تیمیہؒ نے تقلید کی مخالفت کی - اُن کے دَور میں جو غلط رسمیں اور توہمات رائج تھیں، اُن کے خلاف جنگ کی اور تقلید سے آزاد ہو کر فتوے دیئے، علماء وقت نے اُن سے اتفاق نہ کیا، جس کی بِنا پر کئی بار اُنہیں قید خانے میں ڈال دیا گیا - اور آخرکار دمشق کے قید خانے ہی میں ان کا انتقال ہوا - اس سے کہیں چار سو سال بعد امام ابنِ تیمیہؒ کی تعلیمات نے وہابی تحریک کی شکل اختیار کی، جس کی اب سرزمین نجد و حجاز میں حکومت ہے -

اس کے بعد جمال الدین افغانی، شیخ محمد عبدہٗ، مصطفےٰ المراغی اور دوسرے حضرات آگے آئے اور ان سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہؒ دہلوی اور سید احمد شہیدؒ بریلوی گذر چکے تھے، ان

سب نے اسلام کی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کے لئے سخت جدوجہد کی۔ دنیا کے مختلف حصوں میں جو مسلمان ملک آزاد ہوئے ہیں، اس میں ان مصلحین کی کوششوں کا بھی بڑا دخل ہے، لیکن اس کے باوجود ہمارے ہاں کافی انتشار ہے اور ہماری آگے بڑھنے کی راہ مسدود ہے۔ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس پر ہے، لیکن ہمارا عمل اب تک اس پر نہیں۔ اسلام ایک عالمی مذہب ہے، اسے تمام حالات اور ہر ماحول کا ساتھ دینا ہوگا۔ امام ابنِ تیمیہؒ مجموعۂ رسائلِ کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ اسلام میں کوئی چیز عقل کے خلاف نہیں۔ اُنہوں نے اپنے زمانے کے فقہاء پر اُن کے غلط فتوؤں کی بنا پر سخت تنقید کی اور خود کتاب و سنت سے جو اسلام کے اصل ماخذ ہیں، استدلال کیا۔ قیاس کا ذکر کرتے ہوئے امام صاحب نے فرمایا کہ فقہاء کے دو گروہ اپنے غلط فتوؤں کی وجہ سے کبھی معاف نہیں کئے جائیں گے۔ ایک وہ جو اپنی من مانی کرتے ہیں اور دوسروں کی نہیں سنتے، اور دوسرے جو فتویٰ دینے میں بے پرواہ ہیں۔ اپنی اس رائے کی تائید میں امام صاحب نے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث نقل کی ہے "قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اُن میں سے دو تو جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں۔ جنت میں جانے والا قاضی وہ ہے جو صحیح مسئلہ جانتا ہے اور اُس کے مطابق فیصلہ دیتا ہے۔ باقی دو جہنم میں جانے والوں میں سے ایک تو وہ ہے جو بے جانے فیصلہ دیتا ہے۔ اور دوسرا اگرچہ اصل مسئلہ کو جانتا ہے لیکن وہ فیصلہ اس کے خلاف دیتا ہے۔"

جب صورتِ حال یہ ہے تو اس بیسویں صدی میں ہمارا کیا حشر ہوگا کہ جن اہم مسائل سے ہم دوچار ہیں، اُن کے بارے میں ہم کسی متفقہ فیصلے پر نہیں پہنچ پاتے۔ زندگی کے بارے میں روایتی اسلامی نقطۂ نظر اور ترقی کے متعلق جدید سائنسی نقطۂ نظر میں کوئی تناقض نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارے قدامت پسند علماء اور تجدد پسند اہلِ علم کو باہم مل کر آج کے مسائل کا قرآن، احادیثِ نبوی اور مجتہدینِ اولین کے جن کی کہ ہم سب عزت کرتے ہیں مسلک کی روشنی میں حل ڈھونڈنا چاہیئے۔ بدقسمتی سے ہمارے موجودہ تجدد پسندوں میں بعض ایسے مغرب زدہ بھی ہیں جو اسلامی روایات و شعائر کا زیادہ خیال نہیں کرتے اور اُن کے پیشِ نظر صرف مادی ترقی ہے۔ ان میں اور علماء کے راسخ العقیدہ گروہ میں اس وقت جو کشاکش پائی جاتی ہے، تو اس کا سبب یہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی راسخ العقیدہ روایت پسند علماء میں سے بھی بعض ایسے ہیں، جن کے نزدیک ملت کی ترقی اس میں ہے کہ وہ اسلام کے دورِ اوّل کے احوال و افعال کی طرف ہمہ تن ملتفت رہیں۔ حالاں کہ اُس

وقت کے حالات آج کے حالات سے بالکل مختلف تھے، تجدد پسندوں اور روایت پسندوں کے یہ دونوں گروہ افراط و تفریط کے شکار ہیں۔ اور اسلام تو ہم سے راہِ وسط اختیار کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ ظاہر ہے ہم کسی صورت میں بھی اسلامی شعائر کو جیسے کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہیں اور اسی طرح معاشرتی مذہبی احکام کے متعلق ہمارے ہاں نکاح و طلاق وغیرہ کے جو شرعی قواعد و ضوابط چلے آتے ہیں، اُن کو چھوڑ نہیں سکتے۔ لیکن آخر اس میں کیا حرج ہے کہ اسلام کے ان احکام و قوانین کو ہم آج کے زمانے اور حالات کے مطابق تطبیق دینے کی کوشش کریں۔ خود رسول کریمؐ نے بار ہا دنیاوی اُمور میں صحابہ کی رائے قبول کی اور اپنی رائے پر یہ کہہ کر اصرار نہ فرمایا۔ انتم اعلم بامور دنیاکم۔

آخر میں میں یہ کہوں گا کہ جہاں تک دینی اور اخلاقی ضابطوں کا تعلق ہے، ہمیں کسی طرح بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم ان کے بارے میں قرآن مجید کے کسی متن کی کوئی نئی تعبیر کریں۔ لیکن دنیاوی اُمور میں جن میں فقہی غور و فکر بھی شامل ہے، ہم اپنی عقل سے کام لے سکتے ہیں، جیسا کہ فقہ کے مذاہبِ اربعہ کے مجتہدین اور فقہاء نے پہلے لیا تھا۔ اب وقت آگیا ہے کہ اسلامی قانون اور تمام مسلمان ملکوں کے دوسرے دنیاوی اُمور میں اشتراک و اتحاد پیدا ہو تاکہ دنیا کے تمام مسلمان متحد ہو سکیں۔ ہم کب تک یہ کہتے رہیں گے کہ چونکہ ہمارے موجودہ قانون دان مجتہد کے لئے جو ضروری شرطیں ہیں، اُن کو پورا نہیں کر سکتے، اس لئے ہم بدستور اُسی کے پابند رہیں۔ جو اب تک چلا آرہا ہے۔ قرآن مجید ہمیں بار بار اس امر کی دعوت دیتا ہے کہ ہم اُس کی آیات پر غور کریں اور آسمانوں اور زمینوں میں اُس کی نشانیوں کو دیکھیں، تاکہ ہم علم حاصل کر سکیں اور اندھیرے سے روشنی میں آئیں ———— **قرآن مجید کے ارشادات ہیں:۔**

افلا یتدبرون القرآن ۴:۸۲ - ۴۷:۲۴ - ان کنتم تعقلون ۲:۱۱۸ - ۲۶:۲۸ - لعلکم تعقلون ۲:۷۳، ۲۴۲ - ۶:۱۵۲ - ۱۲:۲ - ۲۴:۶۱ - ۲۶:۲۸ - ۴۰:۶۷ - ۴۳:۳ - ۵۷:۱۷ - افلا تعقلون ۲:۴۴، ۷۶ - ۳:۶۵ - ۶:۳۲ - ۷:۱۶۹ - ۱۰:۱۶ - ۱۱:۵۱ - ۱۲:۱۰۹ - ۲۱:۱۰، ۶۷ - ۲۳:۸۰ - ۲۸:۶۰ - ۳۷:۱۳۸ - کتٰبٌ انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولوا الالباب ۳۸:۲۸ - فیتفکروا ۲:۲۰۶ - ۱۲:۱۰۹ - ۳۰:۸ - ۳۵:۴۳ - ۴۰:۲۲ - ۴۰:۸۲ - ۴۷:۱۱ -

(انگریزی سے ترجمہ)